International Research Jounral of Islamic Culture & Communication

IRJICC

ISSN:3007-4630 (P),3006-8304(E)

اعجازِ قرآن کے سائنسی پہلو: ایک تجزیاتی و تحقیقی مطالعہ

SCIENTIFIC ASPECTS OF THE MIRACLE OF THE QURAN: AN ANALYTICAL AND RESEARCH STUDY

1. Kashif Mehmood
kashifmehmoodkhakvi@gmail.com
Ph.D Scholar, Department of Islamic Studies & Arabic The University of Lahore.

2. Dr Hafiz Anas Nazar
anas.nazar@ais.uol.edu.pk
Associate Professor, Department of Islamic Studies & Arabic The University of Lahore.

Vol. 04, Issue, 01, Jan-March 2026, PP:37-55

OPEN ACCES at: www.irjicc.com

Article History	Received	Accepted	Published
	15-01-26	03-02-26	30-03-26

Abstract

The Qur'an, as the final divine revelation, encompasses numerous dimensions of miraculous expression (I'jāz al-Qur'an), among which the scientific aspect holds significant importance in contemporary discourse. This study aims to explore the scientific dimensions of the Qur'an by analyzing selected verses that correspond to modern scientific discoveries. The Qur'an, revealed in the 7th century, contains references to natural phenomena, cosmology, embryology, geology, and other scientific domains that were unknown to humanity at the time of its revelation.This research examines how certain Qur'anic descriptions—such as the expansion of the universe, the development of the human embryo, the barriers between seas, and the water cycle—align with established scientific knowledge. The study adopts a qualitative and analytical approach, utilizing classical tafsir alongside modern scientific interpretations to evaluate the relationship between revelation and empirical science.The findings suggest that the accuracy and depth of these references cannot be attributed to human knowledge of the time, thereby supporting the view that the Qur'an is of divine origin.

CC BY

However, the study also emphasizes the need for careful interpretation to avoid overstatement and to maintain a balanced approach between scientific inquiry and theological understanding.In conclusion, the scientific dimension of the Qur'an serves as a powerful sign of its miraculous nature and continues to inspire both faith and intellectual reflection in the modern age.

KeyWords *Scientific Miracles of the Qur'an ,I'jaz al-Qur'an ,Qur'an and Science ,Embryology in the Qur'an ,Cosmology in Islam ,Divine Revelation ,Scientific Interpretation.*

موضوع کا تعارف:

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تخلیق فرمانے کے بعد اولاد آدم علیہ السلام کے لیے تعلیم و تربیت کا بندوبست بھی فرمایا۔ انسان کو اس زندگی کے بنیادی اہداف و مقاصد سے روشناس کرایا گیا۔ حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی امت کو پہلی مرتبہ الٰہی قوانین یعنی شریعت عطا کی گئی۔ اور پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دور میں ملت اسلامیہ کی داغ بیل ڈالی گئی۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں انسانی عقل و شعور کا عالم یہ تھا کہ وہ ایک بچھڑے کو اپنا خدا ماننے پر آمادہ ہو گئے۔ دورِ مسیح علیہ السلام میں بنی نوع انسان کی اس تربیت گاہ کو اللہ تعالیٰ نے شریعت عیسوی کے ذریعے مزید وسعت عطا فرمائی اور انسانی ترقی کے نصاب میں مقدس انجیل کا اضافہ کر کے رحمت، احسان، شفقت اور انسانیت دوستی کی تربیت سے نوازا۔

یہ بنی نوع انسان کے ابتدائی ادوار تھے۔ انسان کی تعلیم و تربیت کیلیے ظاہری حواس سے کام لیا گیا اور لوگوں کو محسوس معجزات دکھائے گئے۔ اور بالآخر انسان جب عقل، شعور اور ادراک کے لحاظ سے بالغ ہو چکا تو اس وقت اسے محسوس کی بجائے ایک معقول معجزہ (یعنی قرآن مجید) سے روشناس کروایا گیا۔ کیونکہ اس دور میں انسان میں اتنی قابلیت پیدا ہو گئی تھی کہ اسے ایک جامع نظام حیات اور ابدی دستور زندگی سے نوازا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی صورت میں محمد مصطفیٰ ﷺ کی امت کو ایک معجزہ عطا فرما کر اسے اس لائق سمجھا کہ وہ اس عظیم امانت کا ذمہ لے۔ اس عظیم نعمت کی معرفت اور اس کے شکر گزاری کا حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس کلام کو اچھی طرح سمجھا جائے اور دوسروں کو پڑھایا جائے۔ یہ وہ مقدس کتاب ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ہر خشک اور تر کا ذکر فرما دیا ہے، جسے ہر دور کے اہل علم اور مفسرین واشگاف کرتے رہے ہیں۔ یہاں تک کہ جدید سائنسی انکشافات بھی قرآن کے ان رازوں سے پردہ اٹھا رہے ہیں جو قدیم دور کے انسان کے لیے قابلِ فہم نہ تھے۔ لیکن قرآن نے ان کو ساڑھے چودہ سو سال قبل ہی واضح کر دیا تھا۔

قرآن اور سائنس کے مضامین کو پڑھتے ہوئے کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اگر یہ سب کچھ قرآن مجید میں پہلے سے ہی موجود تھا تو تفاسیر میں ان کا ذکر کیوں نہیں کیا گیا اور آج سائنس کے بتانے کے بعد یہ کیوں کہا جا رہا ہے کہ یہ باتیں تو 14 سو سال پہلے ہی قرآن مجید میں موجود تھیں۔ درحقیقت عربی زبان بڑی جامع اور وسیع زبان ہے۔ ایک لفظ کے کئی کئی معانی ہیں نیز کائنات کے اسرار و رموز سے اس وقت کے مسلمان ناواقف تھے۔ علاوہ ازیں کسی بھی انوکھی چیز کو سمجھنے یا سمجھانے کے لیے کسی قرینے یا علم کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ قرینہ یا علم جو آج ہمیں سائنس کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے۔

سابقہ ادوار کے مفسرین کرام اس سے محروم تھے چنانچہ ہر مفسر نے اپنے دور کے علم اور حالات کے مطابق سے قرآنی آیات کی تفسیر کی۔

قرآن مجید ایک لفظ کے کئی معانی بیان کرتا ہے اور استعمال بھی کرتا ہے۔ حضور اقدس ﷺ کا فرمان ہے کہ

"فُضِّلْتُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ: أُعْطِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ، وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ، وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ، وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ طَهُورًا وَمَسْجِدًا، وَأُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً، وَخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّونَ"

"مجھے دوسرے انبیاء پر چھ چیزوں کے ذریعے فضیلت دی گئی ہے: مجھے جامع کلمات عطا کیے گئے، (دشمنوں پر) رعب کے ذریعے میری مدد کی گئی، میرے لیے غنیمتیں حلال کی گئیں، زمین میرے لیے پاک کرنے والی اور مسجد بنائی گئی، مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا، اور میرے ذریعے نبوت ختم کر دی گئی۔" (صحیح مسلم، (2014)، نمبر 1168)

جوامع، جمع ہے جامع کی۔ اس کے اندر چیزوں کو اکٹھا اور جمع کرنے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ کلم، کلمہ کی جمع ہے۔ اس کے معنی "بات" ہیں مطلب ایسے اقوال جن کے معنی زیادہ اور الفاظ کم ہوں، یعنی کثیر المعانی الفاظ۔

"هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ"

"وہی ہے جس نے نازل فرمائی آپ پر کتاب اس کی کچھ آیتیں محکم ہیں وہی کتاب کی اصل ہیں اور دوسری آیتیں متشابہ ہیں پس وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے سو وہ پیروی کرتے ہیں (صرف) ان آیتوں کی جو متشابہ ہیں قرآن سے (ان کا مقصد) فتنہ انگیزی اور (غلط) معنی کی تلاش ہے اور نہیں جانتا اس کے صحیح معنی کو بغیر اللہ تعالیٰ کے اور پختہ علم والے کہتے ہیں ہم ایمان لائے ساتھ اس کے سب ہمارے رب کے پاس سے ہے اور نہیں نصیحت قبول کرتے مگر عقل مند"۔ (آل عمران: 7)

محکمات (محکم) قرآن مجید کی وہ واضح اور صریح آیتیں ہیں جن کے مطالب مقرر ہیں اور ان کے معنی میں کوئی شبہ نہیں یہی قرآن کی بنیاد یہی اصل اور معیار ہیں، بالکل صاف اور واضح ہیں جن سے ایک ہی معنی نکلتے ہیں۔

متشابہات (متشابہ) ایسے کلام کو کہتے ہیں جن سے کئی باہم ملتے جلتے مطلب نکلتے ہوں اور ان کے درمیان فرق کرنا مشکل ہو جائے اور اس کی تفسیر میں مختلف پہلو نکلتے ہوں۔ صرف علماء ان کے درمیان فرق کر سکتے ہوں۔ عوام کا فرض ہے کہ ایسی آیات کے مطالب میں علماء پر تکیہ کریں، اپنی عقل پر بھروسہ نہ کریں۔

معمولی علم رکھنے والے ایک عام آدمی کا فرض ہے کہ وہ متشابہات میں نہ الجھے جو آیات ایک سے زیادہ معنی رکھتی ہوں ان کے معنی اور تفسیر علمائے دین کے علاوہ مسلم دانشوروں، مفکرین اور سائنس دانوں سے دریافت کر لے۔

آیات متشابہات وہی تمام سائنسی حقائق کی طرف بلیغ اشارے ہیں جن اشاروں کو حضور نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ میں کافر بالخصوص عیسائی اور یہودی سمجھ نہ سکے اور شرارت کی غرض سے ان آیات کے الٹے سیدھے مطلب نکال کر لوگوں کو گمراہ کرتے تھے کیونکہ ان کے دل میں کجی تھی تو پھر اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے مذکورہ آیت نازل ہوئی جس کا ترجمہ آپ نے ملاحظہ فرمایا ہے۔ ان آیات متشابہات میں طرح طرح کی خبریں اور پیش گوئیاں تشبیہوں اور مثالوں کے ذریعہ بیان کر دی گئی ہیں۔ ان آیات کا مطلب کوئی نہیں جانتا یعنی ان متشابہ آیات کی تاویل و تشریح اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا (یا وہ لوگ جان جائیں گے)

جو راسخون فی العلم ہوں گے۔ چنانچہ راسخون فی العلم سے مراد دانش ور اور سائنس دان ہی ہو سکتے ہیں۔

عرب غیر عربوں کو اپنی زبان کی فصاحت و بلاغت اور وسعت کی بنا پر عجمی یا گونگے کے نام سے یاد کرتے ہیں اور اس میں اتنی وسعت ہے کہ بسا اوقات ایک ہی لفظ کے کئی کئی معنی ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے قرآن حکیم کے اصل مفہوم کو سمجھنے میں مشکلات پیش آتی ہیں۔ جب ایسی زبان میں اللہ کی ذات پاک خود متکلم ہو تو پھر خود ہی اندازہ کیجئے کہ کلام کا کتنا بلند حسن معیار ہو گا۔ اس لیے قرآن حکیم سمجھنے کے لیے عربی زبان کی خوبیوں سے آشنا ہونا اور اس کے طرز بیان سے واقف ہونا لازمی ہے۔ یہ قرآن حکیم کی فصاحت و بلاغت کا کمال ہے کہ یہ تھوڑے الفاظ میں بہت کچھ کہہ جاتا ہے اور یہی اس کا اسلوب بیان ہے، جس کی مثالیں ساری کتاب میں دی گئی ہیں۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے کسی جگہ ایک ہی لفظ کے کئی معنی ہو سکتے ہیں، ایک ہی آیت متشابہ کی تشریح و تصریح کئی طرح ہو سکتی ہے اور یہی قرآن حکیم کی بڑی خوبی ہے کیونکہ ایسے لچکدار الفاظ ہی کی وجہ سے وہ ہر زبان و مکان کے لیے موزوں ہوتا ہے۔ اسی بات کو قرآن حکیم نے خود واضح کیا ہے:

"فَسْـَٔلُوٓا۟ أَهْلَ ٱلذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ"

"اگر تم (کسی چیز کے متعلق نہیں جانتے) تو اہل ذکر سے پوچھو" (النحل: 42)

اس کا مطلب صاف ظاہر ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی آیات کی سمجھ نہیں ہے تو جو دنیا میں اصل حالات جاننے والے اور سمجھنے والے ہیں ان سے پوچھ کر اپنی تسلی کر لیں۔ کیونکہ نہ جاننے والوں کے لیے اس کے سوا اور کیا تدبیر ہو سکتی ہے کہ وہ واقف کار لوگوں سے پوچھیں اور ان کے کہنے کے مطابق عمل کریں۔ یہاں سے صاف معلوم ہو گیا کہ دنیا میں ایک سے زیادہ سمجھ دار زندگی کے ہر شعبہ میں موجود رہے گا ناسمجھ اور ناداں اپنی مشکلات ان کے ذریعے حل کر سکتے ہیں۔ یہ کس قدر قابل فہم بات ہے جو اللہ تعالیٰ نے بیان فرما دی ہے کہ اس دنیا میں تمام لوگ ایک ہی عقل اور سوجھ بوجھ کے نہ ہوں گے۔ "اہل ذکر سے مراد موقع و محل کے مطابق اللہ تعالیٰ کی یاد کرنے والا عالم، فلسفی دانشور، سائنس دان وغیرہ ہو سکتے ہیں۔ قرآن حکیم کا ہر لفظ پر معنی اور جچا تلا ہے اور ہر لفظ جو استعمال ہوا ہے اس سے بہتر لفظ ناممکن ہے۔ اس لیے تو قرآن حکیم نے دنیا کو چیلنج کیا ہے۔

"وَإِن كُنتُمْ فِى رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا۟ بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِۦ وَٱدْعُوا۟ شُهَدَآءَكُم مِّن دُونِ ٱللَّهِ إِن كُنتُمْ صَـٰدِقِينَ" (البقرہ: 23)

"اگر اس قرآن کے متعلق جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا کچھ شک ہو تو اس کی طرح ایک سورۃ لاؤ اور اللہ کے سوا اپنے مددگاروں کو بلاؤ اگر تم سچے ہو"۔

"قل لئن اجْتَمَعَتِ ٱلْإِنسُ وَٱلْجِنُّ عَلَىٰٓ أَن يَأْتُوا۟ بِمِثْلِ هَـٰذَا ٱلْقُرْءَانِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِۦ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا" (بنی اسرائیل: 88)

"کہہ دو (اے نبی) کہ اگر انسان اور جن جمع ہو کر اس قرآن کی مثال لائیں تو وہ اس کی مثال نہ لا سکیں گے اگرچہ وہ ایک دوسرے کی مدد بھی کریں"

یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے اور کوئی بھی مسلمان اس سے انحراف نہیں کر سکتا کہ قرآن معاشرتی اور سیاسی علوم کا منبع حیات انسانی کے لیے عظیم دستور العمل اور دینی علوم کی اساس ہے۔ یہ آفاقی قوانین کا سرچشمہ اور اعلیٰ ترین مذہبی لائحہ عمل ہے۔ قرآن پاک زندگی بسر کرنے کا علم سکھاتا ہے لیکن چونکہ سب علوم زندگی ہی کا حصہ ہیں اس لیے قرآن پاک میں ہر

مضمون مثلا معاشیات، عمرانیات، نفسیات، علم الابدان، علم کائنات سماویات، علم نباتات و حیوانات، موسمیات و بحریات اور ارضیات کے متعلق بلیغ اشارے مل جاتے ہیں ! اور یہ مختصر ہونے کے باوجود اتنے جامع ہیں کہ بڑی سے بڑی سائنس کی ضخیم کتابوں پر حاوی ہیں۔ کائنات کے جو راز انسان نے صدیوں کی دن رات محنت کے بعد اب دریافت کیے ہیں قرآن پاک میں ان کی طرف پہلے سے اشارے موجود ہیں مگر یاد رکھنا چاہیے کہ قرآن پاک میں بیان کردہ حقائق اپنی صداقت کے لیے سائنس کے محتاج نہیں یعنی قرآن سے راہنمائی سائنس نے حاصل کرنی ہے اور اس کے پیچھے پیچھے سائنس کو چلنا ہے نہ کہ قرآن کو سائنس کے پیچھے ! البتہ جب سائنس کا کوئی نظریہ قرآن پاک کے مطابق ہوتا ہے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ سچ ہوگا مگر اس کا کوئی نظریہ قرآن پاک میں بیان کردہ حقائق سے متصادم ہو تو یہی سمجھا جائے گا کہ ابھی سائنس کو مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔ کائنات کے جن رازوں تک دور جدید کے سائنس دان صدیوں کی محنت شاقہ اور تحقیق کے بعد پہنچے ہیں قرآن انہیں بے تکلفی سے ضمناً بیان کر جاتا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ کائنات کے خالق کا کلام ہے جس نے سب کچھ اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے اور جس کے لیے کائنات کا کوئی راز نہیں۔ قرآن اور سائنس دونوں کے مطالعہ سے میں نے دیکھا ہے کہ سائنس اور قرآن کے نظریوں میں کہاں تک ہم آہنگی ہے۔ سائنسی حقائق اس کتاب عظیم (قرآن) کا وہ حیران کن پہلو ہے جس کے ملاحظہ کے بعد اس کے من جانب اللہ ہونے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔

قرآن کا سائنسی اعجاز

قرآن کریم ہر پہلو کے اعتبار سے جہاں کثیر اعجازات کا حامل ہے وہیں اس کو سائنسی طور پر اعجاز حاصل ہے آج کے دور میں جو جدید سائنسی تحقیق ہو رہی ہے ان کا ذکر قرآن میں پہلے سے ہی موجود ہے عبید اللہ الفلاحی اپنے مضمون میں لکھتے ہیں کہ :

" شام کے مشہور اصلاحی مفکر سید عبد الرحمٰن الکواکبی نے اپنی تحریروں میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ سائنسی ترقیات کی تفصیلات و مضمرات تیرا سو سال قبل قرآن میں نازل ہو گئیں تھیں مگر ان کو ظاہر نہیں کیا گیا تا کہ ظہور کے وقت یہ قرآن کا معجزہ ثابت ہو۔"

(Obaidullah Fahad Fallahi, Re-defining I ijaz al-Quran: vol.2, Junuary-june 2009, No.2,P.9)

آج ہم جس جدید ترقی پذیر سائنسی دور سے گزر رہے ہیں اور آئے روز نئی ایجادات ہو رہی ہیں، ان کو اگر قرآنی تعلیم کے تناظر میں دیکھا جائے تو یہ چیز آشکار ہوتی ہے کہ قرآن میں جو آج سے چودہ سو سال پہلے جن چیزوں کا ذکر ہوا تھا وہ آج کے سائنسی دور میں تحقیق کے ساتھ سچ ثابت ہو رہی ہیں۔

سائنس کیا ہے؟

سائنس سے ہماری مراد کیا ہے ؟ آسان اور مختصر الفاظ میں اس کے معنی ہیں تجرباتی علوم و حکمت اگر مزید وضاحت کی جائے تو یہ فطری یا طبیعی مظہر کا باقاعدہ علم ہے یا ایسی سچائی (Truth) جو مشاہدہ تجربہ یا استقرائی منطق سے معلوم کی گئی ہو بالفاظ دیگر یہ طبیعی حقائق کا وہ علم ہے جو مشاہدے اور تجربے سے حاصل ہو۔ یعنی سائنس میں مشاہدے اور تجربے کی بڑی اہمیت ہے۔ در حقیقت سائنس (Science) کا لفظ لاطینی زبان کے لفظ سائنٹیا (Scientia) سے ماخوذ ہے جس کے معنی علم

(Knowledge) کے ہیں۔ جدید سائنسی علوم میں ریاضی، کیمیا، طبعیات ارضیات، نباتات و حیوانات (حیاتیات) علم النجوم اور طبّی علوم شامل ہیں۔ قرآن حکیم نے ان سائنسی علوم کے وقار میں بہت اضافہ کر دیا ہے اور لوگوں میں شوق وجذبہ پیدا کیا ہے کہ وہ ان علوم کی مدد سے کائنات میں جھانکیں۔ قرآن حکیم نے علم حاصل کرنے پر بہت زور دیا ہے اور پہلی وحی الٰہی کی شروعات میں بھی علم کے طلوع کے لیے ایک واضح اشارہ کر دیا تھا جیسا کہ سورۃ علق کی چند آیات سے ظاہر ہے۔

"اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ"

"آپ پڑھیے اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے (سب کو) پیدا فرمایا پیدا کیا انسان کو جمے ہوئے خون سے آپ کا رب بڑا کریم ہے جس نے علم سکھایا قلم کے واسطہ سے اسی نے سکھایا انسان کو جو وہ نہیں جانتا تھا"۔ (العلق 1:-5)

قرآن حکیم نے بعد میں وحی الٰہی کے مختلف مراحل میں مندرجہ بالا تمام علوم کی جن کا تعلق کائنات سے ہے، تشریح فرمادی ہے مثلاً مادہ توانائی، زندگی کے انتظامات وغیرہ۔ ان علوم کے ذریعے انسان اپنے اندر ایک قوت محسوس کرتا ہے اور یقین پختہ کرتا ہے اور پھر خوف خدا بھی جو کہ زندگی کا بنیادی مقصد ہے۔ مندرجہ ذیل آیات میں علم نباتات، حیوانات اور ارضیات کا واضح اشارہ موجود ہے۔

"أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ ثَمَرَاتٍ مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهَا وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيضٌ وَحُمْرٌ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَابِّ وَالْأَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ كَذَٰلِكَ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ"

"کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ اتارتا ہے آسمان سے پانی۔ پس ہم نکالتے ہیں اس کے ذریعے طرح طرح کے پھل جن کے رنگ مختلف ہوئے ہیں اور پہاڑوں سے بھی رنگ برنگ ٹکڑے ہیں کوئی سفید، کوئی سرخ، مختلف رنگوں میں (کوئی شوخ کوئی مدہم) اور بعض حصے سخت سیاہ اور انسانوں، چارپایوں اور جانوروں کے رنگ بھی اسی طرح جدا جدا ہیں اللہ کے بندوں میں سے صرف علماء ہی (پوری طرح) اس سے ڈرتے ہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ سب پر غالب، بہت بخشنے والا ہے" (فاطر: 35)

ایک اور مقام پر اللہ ارشاد فرماتے ہیں کہ

"وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا بِهَا فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ"

"اور وہ (اللہ) ایسا ہے جس نے تمہارے (فائدہ کے لیے ستاروں کو پیدا کیا تاکہ تم ان کے ذریعہ سے خشکی اور دریا کے اندھیروں میں راستہ معلوم کر سکو، بے شک ہم نے دلائل خوب کھول کھول کر بیان کر دیئے ہیں، ان لوگوں کے لیے جو خبر رکھتے ہیں (یعنی علم رکھتے ہیں)"۔ (انعام: 97)

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

"وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ وَأَلْوَانِكُمْ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِلْعَالِمِينَ"

"اور اسی کی نشانیوں میں سے آسمان اور زمین کا بنانا ہے۔ اور تمہارے لب ولہجہ اور رنگتوں کا الگ الگ ہونا ہے اس میں دانش مندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔" (الروم: 22)

ایک جگہ فرمایا:

"إِنَّ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِلْمُؤْمِنِينَ"

"آسمانوں اور زمین میں اہل ایمان کے استدلال کے لیے بہت سے دلائل ہیں"؟ (الجاثیۃ: 3)

ایک مقام پر فرمایا:

"قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ"

"آپ کہیے کیا علم والے اور جہل والے (کہیں) برابر ہوتے ہیں۔" (الزمر: 9)

مندرجہ بالا آیات کے علاوہ اور بھی بہت ساری ایسی آیات ہیں جو ان سائنسی علوم کے بارے میں بات کرتی ہیں اور ہماری توجہ علم کی طرف مبذول کرواتی ہیں تاکہ علم حاصل کر کے ہم کائنات کے سربستہ راز معلوم کریں اور قابل غور بات یہ ہے کہ قرآن حکیم ہمیں تلقین کرتا ہے کہ ہم آنکھیں بند کر کے علم حاصل نہ کریں بلکہ مشاہدہ کی آنکھ کھلی رکھیں اور ایسے علم کی پیروی نہ کریں جس میں کوئی مستحکم دلیل، سبب، منطق اور تجربہ شامل نہ ہو۔

سائنسی اعجاز قرآن اور سائنسی تفسیر میں فرق

قرآن کے سائنسی اعجاز پر بحث سے قبل سائنسی اعجاز اور سائنسی تفسیر میں فرق واضح ہو جائے، اس لیے کہ اس موضوع پر لکھنے والے بہت سے لوگ دونوں میں خلط ملط کر دیتے ہیں۔

سائنسی تفسیر کی تعریف ڈاکٹر حسین ذہبی نے یہ کی ہے:

"اس سے مراد وہ طریقہ تفسیر ہے جس میں قرآن کی عبارت میں سائنسی اصطلاحات کا استعمال کیا جاتا ہے اور اس سے مختلف علوم اور فلسفیانہ آراء مستنبط کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔"

یہ تعریف اصلا استاذ امین الخولی کی ہے۔ اسے انھوں نے اپنی کتاب: التفسیر معالم حیاتہ ومنہجہ الیوم میں بیان کیا ہے۔ ڈاکٹر فہد الرومی نے لکھا ہے:

"يقول الدكتور فهد الرومي في تعريف التفسير العلمي: والذي يظهر لي - والله أعلم - أن التعريف الأقرب إلى أن يكون جامعاً مانعاً أن يُقال: المراد بالتفسير العلمي هو اجتهاد المفسّر في كشف الصلة بين آيات القرآن الكريم الكونية ومكتشفات العلم التجريبي على وجهٍ يُظهر به إعجازٌ للقرآن يدلّ على مصدره، وصلاحيته لكل زمان ومكان"

"اس سے مراد قرآن کریم کی آیات کائنات اور تجرباتی علوم کی ایجادات کے درمیان ربط ظاہر کرنے کے لیے مفسّر کی ایسی کوشش ہے جس سے قرآن کا اعجاز نمایاں ہو جائے اور یہ واضح ہو جائے کہ وہ انسانی کاوش نہیں ہے، بلکہ اسے نازل کرنے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے اور یہ کہ وہ ہر زمان و مکان کا ساتھ دینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔" (التفسیر معالم حیاتہ ومنہجہ الیوم، (2003)، ص70)

شیخ اہدل اس کی یہ تعریف کرتے ہیں:

"سائنسی تفسیر سے مراد یہ ہے کہ قرآن کی آیات کائنات کی تفسیر سائنسی معلومات کی روشنی میں کی جائے، خواہ وہ صحیح ہو یا غلط۔ اس طرح اس تعریف میں صحیح اور غلط دونوں تفسیریں آجاتی ہیں"

مذکورہ بالا تعریفات میں شیخ اہدل کی تعریف زیادہ درست اور جامع معلوم ہوتی ہے۔

رہا سائنسی اعجاز قرآن تو شیخ زندانی نے اس کی تین تعریفیں ذکر کی ہیں:

1-اس سے مراد قرآن کا کسی ایسی حقیقت کی خبر دینا ہے جس کا اثبات تجرباتی علم (سائنس) سے ہوا ہو اور جس کا

ادراک عہدِ رسالت یا زمانہ نزول وحی میں انسانی علمی وسائل کے ذریعے ممکن نہ رہا ہو۔

2۔ اس سے مراد جدید ثابت شدہ اور مستقل سائنسی انکشافات کے ذریعے قرآن کریم میں وارد حقائق کا اثبات کرنا ہے، ایسے دلائل کے ذریعے جو قطعی اور یقینی ہوں اور جن پر ماہرین کا اتفاق ہو۔

3۔اس سے مراد وحی کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کو حاصل ہونے والے علم الہی کی سچائی کا اظہار ہے، جس سے اس کا امر واقع ہونا ثابت ہو جائے اور کوئی شخص اس کی نسبت حضرت محمد ﷺ یا آپ کے زمانے کے کسی انسان کی طرف نہ کر سکے۔

یہ تینوں تعریفیں صحیح اور قابلِ قبول ہیں، لیکن ان میں صحیح ترین اور دقیق ترین اول الذکر تعریف معلوم ہوتی ہے۔

قرآن کا سائنسی اعجاز۔ چند حقائق

بعض قرآنی آیات کو علمی (سائنسی) قرار دینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دیگر آیات، جن کا ان علوم سے تعلق نہیں ہے، ان کے علمی ہونے کی نفی کی جا رہی ہے۔ بلکہ اس سے مراد تجرباتی علم ہے، تاکہ اس سے فلسفیانہ، معاشرتی اور اخلاقی علوم خارج ہو جائیں، اس لیے کہ قرآن ان علوم کی مبادیات پر مشتمل ہے اور ان سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن اللہ تعالی کی جانب سے ہے، کسی انسان کا گھڑا ہوا نہیں ہے۔ یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ قرآن کریم میں سائنسی اعجاز کا مسئلہ دو بنیادی حقیقتوں پر قائم ہے:

اول یہ کہ سائنسی اعجاز بذات خود مقصود نہیں ہے۔

دوم یہ کہ قرآن کریم کتاب ہدایت ہے اور اس ہدایت کے ذرائع میں سے وہ اہم علمی و سائنسی دلائل بھی ہیں جو کتاب عزیز کی آیات میں پائے جاتے ہیں۔

اس بات پر علماء کا اتفاق ہے کہ قرآن کریم اس حیثیت سے بھی معجزہ ہے کہ وہ ایسے علمی حقائق پر مشتمل ہے جن کا انکشاف عہد نزول قرآن کے بعد کے زمانوں میں ہوا ہے۔ اس سے قطعی طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ ان حقائق کا سر چشمہ اللہ تعالی کی ذات ہے۔ علماء کا یہ اتفاق اجمالی طور پر ہے۔ رہی تفصیل تو اس میں ان کے درمیان کسی قدر اختلاف ہے، اس کا سبب علوم و معارف، سائنسی ایجادات اور حقائق علوم سے واقفیت میں ان کا تفاوت ہے۔

قرآن کریم کا مطالعہ کرنے اور اس کی آیات کا تتبع کرنے والا بہت سی ایسی آیات پاتا ہے (بعض محققین نے ان کی تعداد نو سو (900) سے زائد بتائی ہے) جن میں اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کی سنتوں اور نظام اور اپنی مخلوقات کے ساتھ اللہ تعالی کی عنایات کا بیان ہے، اس لیے قرآنی مطالعات سے دل چسپی رکھنے والوں کے لیے ضروری تھا کہ وہ اس اہم پہلو کی جانب اپنی توجہ مبذول کریں اور قرآن کریم کے ان عظیم اور دقیق حقائق کو واشگاف کریں جو ایک ایسے امی شخص کی زبان سے ظاہر ہوئے ہیں جسے ان علوم کی ادنی واقفیت بھی نہیں تھی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس نے ان علوم کو اس ذات گرامی سے حاصل کیا ہے جو آسمان اور زمین کے تمام اسرار سے واقف ہے۔ ارشاد باری ہے:

"قُلْ أَنزَلَهُ الَّذِي يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ كَانَ غَفُوراً رَّحِيماً."

"آپ فرمایئے اتارا ہے اس کو اس (خدا) نے جو جانتا ہے آسمانوں اور زمین کے سارے رازوں کو واقعی وہ بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے" (الفرقان: 6)

شیخ مصطفیٰ صادق الرافعی رح فرماتے ہیں:

قرآن میں کائناتی اور سائنسی آیات کی موجودگی اس کے ایک دوسرے اعجاز کی دلیل ہے۔ اس سے اس بات کا اشارہ ملتا

ہے کہ زمانہ بحث و دلیل پر قائم علمی رخ پر رواں دواں ہے اور انسانیت اپنے عہد عروج میں اسی راہ پر گامزن ہے اور مذہب بہت جلد عقلی بنیادوں پر استوار ہو گا۔ قرآن میں اس پہلو کی رعایت زمانہ میں اس کے وجود میں آنے سے چودہ صدیاں پہلے ، غیب سے ظاہر ہونے والی کھلی شہادت ہے، جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ پھر اگر صبح روشن ہو گئی ہو ، لیکن بعض لوگ سور ہے ہوں، انھیں صبح کا پتا نہ چلا ہو تو یہ ان کی نیند کا قصور ہے، بعض دوسرے لوگ ہیں جو اندھے پن میں مبتلا ہیں، جس کی بنا پر وہ صبح کو دیکھنے پر قادر نہیں، لیکن بہر حال یہ حقیقت ہے کہ صبح نمودار ہو گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

"فَمَنۡ أَبۡصَرَ فَلِنَفۡسِهِۦۖ وَمَنۡ عَمِيَ فَعَلَيۡهَاۚ"

"اب جو بینائی سے کام لے گا اپنا ہی بھلا کرے گا اور جو اندھا بنے گا خود نقصان اٹھائے گا" (الانعام: 104)

قرآن میں سائنسی اعجاز کے ضوابط

سائنسی اعجاز کو نمایاں کرتے وقت چند اہم ضوابط کی پابندی ضروری ہے۔ وہ ضوابط درج ذیل ہیں :

اول: یہ عقیدہ ہو کہ قرآن اول درجہ کی کتاب ہدایت ہے، سائنس اور طبیعیات کی کتاب نہیں ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کی ان کے خالق کی طرف راہ نمائی ہو ، وہ زمین میں خلافت قائم کریں، جس کی انھیں ذمہ داری سونپی گئی ہے اور عبادت الٰہی میں مشغول ہوں، جس کے لیے انھیں پیدا کیا گیا ہے۔ اس لیے آیات کائنات سے متعلق قرآنی مطالعات کو اسی دائرے میں رہنا چاہیے اور اس پر کسی دوسرے پہلو کو ترجیح نہیں دینی چاہیے۔ جائز نہیں کہ قرآن کے ساتھ کسی ایسی چیز کا اضافہ کر دیا جائے جس کا وہ تقاضا نہ کرتا ہو اور نہ یہ صحیح ہے کہ کسی ایسی چیز کا انکار کر دیا جائے جس کا وہ تقاضا کرتا ہو۔

دوم: عربی زبان، جس میں قرآن کا نزول ہوا ہے، اس کی دلالتوں کی پابندی کی جائے ، اس کے مفردات، تراکیب، اسالیب، عموم و خصوص، اطلاق و تقیید اور اجمال و بیان وغیرہ کو ملحوظ رکھا جائے ، اس کے متعین قواعد کی رعایت کی جائے، مثلاً مطلق کو مقید پر اور عام کو خاص پر محمول کرنا، لفظ کے حقیقی معنی مراد لینا، الا یہ کہ کسی وجہ سے مجازی معنی لینا ضروری ہو ، اور علوم لغت اور اصول تفسیر میں سے ان چیزوں کو ضرور پیش نظر رکھا جائے جن پر معانی آیات کا فہم موقوف ہو۔

سوم: اعجاز قرآن کی وضاحت میں دور دراز تاویلات سے احتراز کیا جائے ، قوی دلیل کے بعد آیت کے ظاہری مفہوم سے انحراف نہ کیا جائے ، اس لیے مناسب یہ ہے کہ قرآنی منہج کی پیروی کی جائے اور قرآنی نصوص سے وہ معانی نہ نکالے جائیں جو بہ ظاہر ان سے نہ نکلتے ہوں۔ اسی طرح مناسب یہ ہے کہ ہم قرآن کی تفسیر کو سائنس کی کتاب نہ بنا دیں کہ اس کو مختلف سائنسی علوم سے بھر دیں اور اس معاملے میں حد اعتدال سے تجاوز کر جائیں۔

چہارم: علمی مضامین کے اظہار میں قرآنی اسلوب کی لچک سے واقفیت حاصل کی جائے اور یہ جاننے کی کوشش کی جائے کہ آیت کی تاویل میں کون کون سی توجیہیں قابل قبول ہو سکتی ہیں۔ اس لیے قرآن کے کسی لفظ یا عبارت کو سمجھنے کی کوشش کرتے وقت اس لفظ کی حقیقی اور مجازی دلالتوں اور عربی زبان میں اس کے استعمالات کی طرف ضرور رجوع کیا جائے، تاکہ اس میں جن معانی کی گنجائش نکل سکتی ہو، اس کی تفسیر کرتے وقت وہ ذہن میں واضح رہیں۔

پنجم: کائنات اور انفس و آفاق سے متعلق آیات الٰہی میں غور و خوض اور اللہ کی سنتوں سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے علم و معرفت کے بارے میں قرآنی منہج کی پیروی کی جائے۔ چوں کہ کائنات کا نظام اللہ تعالیٰ کے طبیعی قوانین (سنن) پر قائم ہے

اور وہ انہی کے مطابق کائنات کو چلا رہا ہے، اس لیے جو شخص ان طبعی قوانین کو جان لے گا وہ اپنے فائدے کے لیے کائنات کو مسخر کر سکے گا اور اللہ تعالی کی توفیق کے مطابق بہتر وسائل زندگی فراہم کر سکے گا اور مادی ترقی حاصل کر سکے گا، خواہ وہ کسی بھی عقیدے کا ماننے والا ہو اور کیسی بھی زندگی گزارتا ہو۔

ششم: تفسیر کرنے والا آیت کا مفہوم قرآن کی دیگر آیات کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کرے، پھر سنت نبوی، پھر اقوال صحابہ، پھر اقوال تابعین سے رجوع کرے۔ اصطلاحی طور پر اسے تفسیر ماثور کہتے ہیں، غرض یہ کہ تفسیر کے اصول و قواعد کو ملحوظ رکھے۔

ہفتم : قرآن کے بیان کردہ حقائق کو محل نظر نہ بنا دیا جائے، بلکہ ضروری ہے کہ ان کو اصل قرار دیا جائے۔ پھر جو چیز اس کے موافق ہو اسے قبول کیا جائے اور جو چیز اس کے مخالف ہو اس کو رد کر دیا جائے۔

ہشتم: قرآن کی تفسیر سائنس کی صرف یقینی اور ثابت شدہ معلومات سے کی جائے، تفسیر آیات کے ضمن میں صرف سائنسی حقائق پر اکتفا کیا جائے اور ان سائنسی نظریات کی جانب توجہ نہ دی جائے جو ابھی حقائق کے درجے تک نہ پہنچے ہوں اور انھیں قطعاً ذکر نہ کیا جائے، اس لیے کہ کسی آیت کی تفسیر میں کسی ایسے سائنسی نظریہ کو پیش کرنا جس میں تبدیلی ہو سکتی ہو یا بعد میں وہ غلط ثابت ہو سکتا ہو، اس سے قارئین کے ذہن میں وہ نظریہ بیٹھ جائے گا اور بعد میں اس کے غلط ثابت ہو جانے کی صورت میں وہ آیت کے اپنے فہم کے بارے ذہنی الجھن اور انتشار کا شکار ہوں گے۔ ماضی میں ایسا ہو چکا ہے کہ کتب تفسیر میں اسرائیلیات کی بھرمار کے سبب بعض آیات قرآنی کا مفہوم غلط سمجھ لیا گیا۔ (مباحث فی اعجاز القرآن، (2005)، ص 171)

قرآن کے سائنسی اعجاز کی امثال

بچے کی تخلیق کے مراحل

ماں کے پیٹ میں بچے کی تخلیق کے مراحل کے بارے میں قرآن فرماتا ہے:

"يَخۡلُقُكُمۡ فِي بُطُونِ أُمَّهَـٰتِكُمۡ خَلۡقٗا مِّنۢ بَعۡدِ خَلۡقٖ فِي ظُلُمَـٰتٖ ثَلَـٰثٖ-(الانعام:39)

تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹ میں تین اندھیروں میں پیدا کرتا ہے، ایک حالت کی تخلیق کے بعد دوسری حالت کی تخلیق ہوتی ہے۔

علامہ غلام رسول سعیدی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ:

"جس وقت علم تشریح الاعضاء کی ابتداء بھی نہ ہوئی تھی اس وقت قرآن نے یہ بتلا دیا تھا کہ انسان کی ماں کے رحم میں تین تاریکیوں میں تخلیق ہوتی ہے۔ اور جدید میڈیکل نے اب تحقیق کے بعد یہ انکشاف کیا ہے کہ انسان کی ماں کے رحم میں تین پردوں میں تخلیق ہوتی ہے" (تبیان القرآن، (2018)، ج1: ص64)

آج طبی سائنس و میڈیکل کی زبان میں ان تین پردوں یا تاریکیوں کو دو نلیوں یا فلو پین ٹیوب (Salpinx) ، لعاب بھی کہتے ہیں اور پوٹلی یعنی امینوٹک (Endometrium) جس کو (Intrauterine Epithelium) دار جعلی سیک (Amnotic Sec) کے نام سے جانا جاتا ہے۔

ڈاکٹر ہلوک نور باقی لکھتے ہیں کہ:

فلو پین ٹیوب (Salpinx) یہ انسان کی زندگی کا پہلا مرحلہ ہوتا ہے جہاں آ کر بیضہ قرار پاتا ہے وہ کیسے قرار پاتا ہے؟ یہ

ابھی تک نا قابلِ تشریح ہے۔اور دوسرا مرحلہ لعاب دار جلی یہ جنگل کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے جہاں بیضہ کا خلیہ اپنی جگہ بناتا ہے یہ مقام ایک غار میں ہوتا ہے جہاں پر بچے کو خوراک ماں کے بدن سے مہیا کرنے کی ڈیوٹی ہوتی ہے اور تیسرا مقام امینوٹک سیک ہے جہاں انسان کی ابتدائی شکل وصورت اور حیاتیاتی نظام اپنے ارتقائی مراحل طے کرتا ہے۔(قرآنی آیات اور سائنسی درحقائق، مترجم فیروز شاہ گیلانی،(1990)،ص94)

ان تمام مراحل کو قرآن کریم نے چودہ سو سال قبل بیان کر دیا تھا جسے آج کی جدید میڈیکل سائنس ثابت کر رہی ہے۔

نطفہ امشاج سے انسان کی تخلیق

انسان ایک تخلیق کے مرحلہ سے گزر کر دنیا میں آتا ہے جسے قرآن کریم ان الفاظ کے ساتھ بیان کرتا ہے

"وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِينٍ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَأْنٰهُ خَلْقًا آخَرَ" (المومنون:23:-14)

"اور بیشک ہم نے پیدا کیا انسان کو مٹی کے جوہر سے پھر ہم نے رکھا اسے پانی کی بوند بنا کر ایک محفوظ مقام میں پھر ہم نے بنا دیا نطفہ کو خون کا لوتھڑا پھر ہم نے بنا دیا اس لوتھڑے کو گوشت کی بوٹی پھر ہم نے پیدا کر دیں اس بوٹی سے ہڈیاں، پھر ہم نے پہنا دیا ان ہڈیوں کو گوشت۔ پھر (روح پھونک کر) ہم نے اسے دوسری مخلوق بنا دیا پس.بڑا بابرکت ہے اللہ جو سب سے بہتر بنانے والا ہے۔"

ان آیات مبارکہ میں قرآن کریم نے انسانی تخلیق کے سات مراحل کو بیان کیا ہے جن کی تصدیق آج کے دور کی جدید سائنس کر رہی ہے وہ سات مراحل یہ ہیں 1۔انسان کی چنی ہوئی مٹی سے تخلیق، 2-نطفہ بنا کر اس کو ٹھہرایا، 3۔ نطفہ کو جما ہوا خون 4۔ جمے ہوئے خون کو بوٹی-5- پھر بوٹی کو ہڈی بنایا 6۔ہڈیوں پر گوشت چڑھادیا، 7۔ایک دوسری صورت بنا دیا۔

دوسرے مقام پر قرآن کہتا ہے:

"ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ"

" پھر اس (کے قدو قامت) کو درست فرمایا اور پھونک دی اس میں اپنی روح اور بنا دیئے تمہارے لیے کان آنکھیں اور دل تم لوگ بہت کم شکر بجالاتے ہو" (السجدہ:32)

پھر قرآن فرماتا ہے:

"انا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا" (البقرہ::76)

" بیشک ہم نے آدمی کو ملی ہوئی منی سے پیدا کیا تا کہ ہم اس کا امتحان لیں تو ہم نے اسے سننے والا، دیکھنے والا بنا دیا۔"

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری لکھتے ہیں:

" یہاں پر بھی اس امر کی صراحت موجود ہے کہ انسانی ایمبریو (embryo) کی نشوونما میں انسان کے نظام سماعت کو پہلے وجود میں لایا جاتا ہے اور نظام بصارت بعد میں مکمل ہوتا ہے۔ قرآن کریم کی اس تخلیقی عمل کی تائید آج کے دور کی ایمبریالوجی (embryology) کی جدید تحقیق نے کر دی ہے۔" (اسلام اور جدید سائنس،(2001)،ص524)

ڈاکٹر کیتھ ایل مور اس بارے میں لکھتے ہیں

"This part of Sura 32:9 indicates that the special senses of hearing, seeing and feeling develop in this order, which is true. The primordia of the internal ear appear before the beginningof the eyes, and the brain the site of understanding) differentiateslast."

(Keith L. Moor, A Scientist's Interpretation of References to Embryology in the Qur'an,

79036bd3704127bbb25378174bfcd5b9f088.pdf (semanticscholar.org)

"کانوں کے اندرونی عضو آنکھوں سے پہلے ظاہر ہوتے ہیں اور دماغ (سمجھنے کی جگہ) اسے ممتاز کرتا ہے جیسا کہ سورۃ سجدہ کی آیت نمبر 9 میں موجود ہے جو اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ سننے، دیکھنے اور محسوس کرنے کے حواس اس ترتیب سے تخلیق ہوتے ہیں، جو کے ایک درست حقیقت ہے۔اس بحث سے یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ انسانی تخلیق کے بارے میں قرآن کریم نے آج سے چودہ سو سال پہلے جو مراحل بیان کیے تھے وہ آج سائنسی تحقیق سے سامنے آ رہی ہیں جس سے قرآن کا اعجاز ثابت ہو رہا ہے۔"

کائناتِ عالم:

"وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا بِأَيْدٍ وَإِنَّا لَمُوسِعُونَ".(الذاریات:47)

"آسمان کو ہم نے اپنی قدرت سے بنایا ہے اور یقیناً ہم کشادگی کرنے والے ہیں۔"

یہ وسیع الاطراف مادی کائنات کروڑوں کہکشاؤں پر مشتمل ہے۔ ہر کہکشاں میں کروڑوں سورج اور ستارے ہیں اور ہر سورج یا ستارہ کے ماتحت بہت سے سیارے اور چاند ہیں۔اس کے ساتھ ہی فضا میں مختلف خصوصیات اور صلاحیتوں کی طاقتیں (ENERGIES)اور شعائیں (RAYS) ہیں، یہ تمام چیزیں خالق کائنات کی قدرت کے تابع ہیں۔إِنَّا لَمُوسِعُونَ کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے ابتداء میں جب کائنات پیدا کی تھی تو آسمان کو خوب وسیع کر دیا تھا، چنانچہ کہکشاؤں کے ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر ہونے کے باوجود آسمان ان سب پر حاوی ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں جمال الدین الفندی نے لکھا ہے:

سائنسی پہلو سے دیکھا جائے تو کائنات کا حجم اب تک نہیں دریافت کیا جا سکا ہے۔سائنس دانوں نے ستاروں کی چمک کے اعتبار سے ان کی درجہ بندی کی ہے، جو ستارے ننگی آنکھ سے قبہ آسمان میں دکھائی دیتے ہیں اور جن میں مختلف درجات کی چمک پائی جاتی ہے، ان کی تعداد چھ ہزار سے زائد نہیں ہے، لیکن جب فلکیاتی دوربینوں سے دیکھا گیا تو ماہرین فلکیات نے بتایا کہ ہماری یہ کہکشاں ایک ٹکیہ کے مثل ہے۔ ہمارا سورج اس کہکشاں کے مرکز سے تیس ہزار شمسی سال کی دوری پر ہے۔اس کا قطر تقریباً ایک لاکھ شمسی سال اور اس کی موٹائی تقریباً چھ ہزار شمسی سال کے برابر ہے۔(مباحث فی اعجاز القرآن،(2013)، ص163)

دن اور رات کو لپیٹنا (یُكَوِّرُ) کی مثال: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُسَمًّى أَلَا هُوَ الْعَزِيزُ الْغَفَّارُ"(الزمر:5)

"اس نے آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا ہے۔ وہی دن پر رات اور رات پر دن کو لپیٹتا ہے۔اُسی نے سورج اور چاند کو اس طرح مسخر کر رکھا ہے کہ ہر ایک ایک وقت مقرر تک چلا جا رہا ہے۔ جان رکھو وہ زبردست ہے اور درگزر کرنے والا ہے۔"

امام راغب نے لکھا ہے:

"أصل الكور: لف الشيء وضربه، ككور العمامة. ويقال: كار العمامة يكورها كورا، إذا لفها. ومنه قيل للبئر: كور، لاستدارتها. و كورت العمامة: أي لفتها. وتكور النهار والليل: أي تعاقبا وتعاقبا بالزيادة والنقصان. ومنه قوله تعالى: (يُكَوِّرُ اللَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ) أي يدخله عليه فيزيد هذا وينقص هذا."

"کور کے معنی ہیں گھمانا اور پیٹنا، جیسے عمامہ کو لپیٹا جاتا ہے۔ اس سے اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ سورج کی گردش سے رات اور دن چھوٹے بڑے ہوتے ہیں۔" (معجم المفردات الفاظ القرآن، (2012)، ص:165)

لسان العرب میں ہے:

تکویر اللیل والنہار کا مطلب یہ ہے کہ رات اور دن میں سے ہر ایک کو دوسرے سے ملا دیا جائے۔ اس کا ایک مطلب یہ بھی بتایا گیا ہے کہ رات اور دن میں سے ہر ایک کو دوسرے پر چڑھا دیا جائے۔ ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ ایک کو دوسرے میں داخل کر دیا جائے۔ یہ تینوں معانی قریب قریب ہیں۔ (لسان العرب، (2015)، ج5: ص156)

الصحاح میں ہے:

یُکَوِّرُ اللَّیْلَ عَلَی النَّہَارِ کا مطلب یہ ہے کہ رات دن کو ڈھک لیتی ہے۔ اس کا ایک مطلب یہ بتایا گیا ہے کہ رات بڑی ہو جاتی ہے، دن چھوٹا ہو جاتا ہے، تکویر کا مطلب یہ ہے کہ ایک دوسرے میں داخل ہو جائے۔ اس کی اصل تکویر العمامۃ ہے یعنی عمامہ کو لپیٹنا۔ إذا الشَّمْسُ کُوِّرَتْ کا مطلب یہ ہے کہ سورج کی روشنی سمیٹ لی جائے گی اور اسے عمامہ کی طرح لپیٹ دیا جائے گا۔ کورٹ کے ایک معنی عورت کے ہیں، یعنی اس کی روشنی اندر چلی جائے گی۔ (لسان العرب، (2015)، ج5: ص156)

سید قطب نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

یہ عجیب و غریب تعبیر ہے، جو اس میں غور و فکر کرنے والے کو مجبور کرتی ہے کہ ان معلومات کی طرف رجوع کرے جو زمین کے گول ہونے سے متعلق ماضی قریب میں دریافت ہوئی ہیں۔ باوجود یہ کہ میں نے اس تفسیر میں پوری کوشش کی ہے کہ قرآن کو انسان کے دریافت کردہ نظریات پر محمول نہ کروں، اس لیے کہ یہ نظریات غلط بھی ہو سکتے ہیں اور صحیح بھی، آج اگر یہ صحیح معلوم ہو رہے ہیں تو کل یہ غلط ثابت ہو سکتے ہیں، جب کہ قرآن برحق ہے، وہ بذات خود اپنی سچائی کی نشانی ہے، اس کی تائید و تصدیق کے لیے کم زور و ناتواں انسانوں کی تحقیقات وانکشافات کے حوالے پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس کے باوجود یہ قرآنی تعبیر مجھے مجبور کر رہی ہے کہ میں زمین کے گول ہونے سے متعلق معلومات میں غور کروں، اس سے ایک ایسی مادی حقیقت کی تصویر کشی ہوتی ہے جو روئے زمین پر قابل مشاہدہ ہے۔ گول زمین سورج کے سامنے اپنے محور پر گردش کر رہی ہے، اس کی گول سطح کا جو حصہ ہا سورج کے سامنے ہوتا ہے اس پر سورج کی روشنی پڑتی ہے تو وہاں دن ہوتا ہے، لیکن یہ حصہ ایک حال پر قائم نہیں رہتا، اس لیے کہ زمین گردش کر رہی ہے اور جوں جوں اس کی حرکت جاری رہتی ہے وہ سطح جس پر دن تھا، اس پر رات چھانے لگتی ہے۔ زمین کی یہ سطح برابر ڈھکی رہتی ہے، پہلے دن کی روشنی کے ذریعے، پھر رات کی تاریکی کے ذریعے، کچھ عرصہ کے بعد دوسرے گوشے سے پھر دن کا آغاز ہوتا ہے جو رات پر چھا جاتا ہے۔ یہ حرکت برابر جاری رہتی ہے۔ آیت یُکَوِّرُ الیْلَ عَلَی النَّہَارِ وَیُکَوِّرُ النَّہَارَ عَلَی الیْلِ کے الفاظ سے شکل بھی نگاہ میں آجاتی ہے، مقام کی بھی تعیین ہو جاتی ہے اور زمین کی ماہیت اور اس کی حرکت کی نوعیت بھی طے ہو جاتی ہے۔

زمین کے گول ہونے اور اپنے محور پر گردش کرنے سے قرآنی تعبیر کی اچھی طرح وضاحت ہو جاتی ہے۔ یہ تفسیر کسی بھی دوسری تفسیر کے مقابلے میں ، جسے اس نظریہ کی روشنی میں نہ کیا گیا ہو، زیادہ دقیق تفسیر ہے ۔ (فی ظلال القرآن، (1979)، ج5: ص308)

"ہوا" کی مثال: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"وَأَرْسَلْنَا الرِّيَاحَ لَوَاقِحَ" (الحجر:22)

" بھارآور ہواؤں کو ہم ہی بھیجتے ہیں"

اس آیت کی تفسیر میں پہلے کے لوگ کہتے تھے کہ یہ تشبیہ ہے اس چیز کی کہ ٹھنڈی ہوائیں بادلوں پر اثر انداز ہوتی ہیں، جس سے بارش ہوتی ہے اور جانوروں کے نر مادہ کو بارآور کرتے ہیں، یہاں تک کہ جب یورپ کے سائنس دانوں نے اس امر کا انکشاف کیا کہ ہوائیں بارآوری کا عمل براہ راست انجام دیتی ہیں اور دعوی کیا کہ یہ بات اس عہد سے پہلے کے لوگوں کو نہیں معلوم تھی تو قرآن سے واقف بعض لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ عربوں کو یہ بات معلوم تھی۔ مستشرق اجیری، جو گزشتہ صدی میں آکسفورڈ میں عربی زبان کا استاد تھا، اس نے کہا ہے: اونٹ چرانے والوں کو اہل یورپ سے تیرہ صدیوں قبل معلوم تھا کہ ہوائیں درختوں اور پھلوں کو بارآور کرتی ہیں، ہاں یہ بات صحیح ہے کہ کھجور کی کاشت کرنے والے اہل عرب عمل بارآوری سے واقف تھے، اس لیے کہ وہ اپنے ہاتھوں سے نر کھجوروں کے شگوفوں کو مادہ کھجوروں پر چھڑکتے تھے، لیکن وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ بارآوری کا کام ہوائیں انجام دیتی ہیں، اسی وجہ سے اس عہد کے مفسرین نے اس آیت سے یہ بات نہیں مجھی تھی، بلکہ اسے مجاز پر محمول کیا تھا۔

زمین کی مقدار کے متعلق قرآن کے احکام:

"وَالْأَرْضَ مَدَدْنَاهَا وَأَلْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنبَتْنَا فِيهَا مِن كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُونٍ". (الحجر:19)

" ہم نے زمین کو پھیلایا، اس میں پہاڑ جمائے، اس میں ہر نوع کی نباتات ٹھیک ٹھیک نپی تلی مقدار کے ساتھ لگائی"

اس آیت میں لفظ " موزون (ٹھیک ٹھیک نپی تلی مقدار) بہت دقیق اور عجیب و غریب تعبیر ہے۔ علم کیمیا (CHEMISTRY) اور علم نباتات (BOTANY) کے ماہرین نے ثابت کیا ہے کہ کوئی نبات جن عناصر پر مشتمل ہوتی ہے، ان میں سے ہر عنصر اس میں ایک متعین مقدار میں شامل ہوتا ہے۔ اس مقدار کا صحیح اندازہ ناپ تول کی دقیق ترین مشینوں سے، جن سے سینٹی گرام اور ملی گرام بھی ناپا جاتا ہے، کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح ہر نبات میں یہ عناصر ایک خاص تناسب سے رہتے ہیں۔ آیت میں کل شیٔ (ہر چیز) کہا گیا ہے، جس میں انتہائی عموم پایا جاتا ہے اور اس کی صفت موزون، لائی گئی ہے۔ اس کے ذریعے ایسے فنی سائنسی مسائل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو اس دور سے قبل کسی انسان کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں آسکتے تھے۔

ایٹم کے متعلق قرآن کی رہنمائی:

مادہ سے مراد وہ عنصر ہے جس سے تمام مادی اشیاء بنی ہوئی ہیں۔ قدیم یونانی فلسفیوں نے سب سے پہلے یہ جاننے کی کوشش کی کہ دنیا کس چیز سے بنی ہے۔ انہوں نے ان بنیادی ذرات کا نام ایٹم رکھا جو آج تک رائج ہے۔ بنیادی ذرے کی تعریف سادہ الفاظ میں یوں کر سکتے ہیں کہ یہ مادے کا چھوٹے سے چھوٹا ذرہ ہوتا ہے جو کہ اپنی ساخت میں کامل ہوتا ہے اور اپنے اندر مزید چھوٹے یا ذیلی ذرات نہیں رکھتا۔ ایٹم جو مادے کے وجود کے لیے بنیادی کردار ادا کرتا ہے، بگ بینگ کے بعد وجود میں آیا۔ پھر ان

ایٹموں نے یکجا ہو کر اس کائنات کو بنایا جس میں ستارے، زمین اور سورج شامل تھے۔ بعدازاں انہی ایٹموں نے کرہ ارض پر زندگی کی ابتدا کی۔ اگر آپ اپنے چاروں طرف نظر دوڑائیں تو آپ کو سینکڑوں قسم کی حدیں نظر آئیں گی۔ ان میں سے کچھ ٹھوس ہیں، کچھ مائع اور کچھ گیس، یہ مادے کی تین مختلف صورتیں ہیں۔ وہ ظاہر میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں لیکن اندرونی طور پر ایسا نہیں ہے۔ بنیادی طور پر وہ ایک ہی ذرے سے تعمیر ہوئی ہیں جسے ایٹم کہتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ پھر یہ ایٹم کیا ہے، جو ہر شے کا تعمیری جزو ہے، یہ کس شے کا بنا ہوا ہے اور اس کی ساخت کیا ہے؟ پرانے وقتوں میں ایک نظریہ جو کہ "نظریہ ایٹم" کے نام سے جانا جاتا تھا، کو وسیع پیمانے پر مقبولیت حاصل تھی۔ اصل میں یہ نظریہ یونان کے ایک سکالر ڈیموکراطس کا پیش کردہ تھا جو تقریباً (460-370 قبل مسیح وہاں رہتا تھا۔ ڈیموکراطس اور اس کے بعد آنے والے لوگوں نے بھی یہی نظریہ پیش کیا تھا کہ ایٹم مادے کا سب سے چھوٹا حصہ ہوتا ہے۔ ایٹم دراصل یونانی زبان کے لفظ ATOMOS سے نکلا ہے جس کا مطلب ہے "ناقابل تقسیم"۔ یونانی فلاسفرز کا خیال تھا کہ ایٹم کو تباہ نہیں کیا جاسکتا اور اس کی مزید تقسیم ناممکن ہے اکیا۔ قدیم عرب بھی اسی بات پر یقین رکھتے تھے۔ عربی زبان میں ذرہ "کا سب سے عمدہ معنی "ایٹم" ہی ہے۔

کسی ایٹم میں ایک پروٹون کے اضافے سے وہ نئی قسم کا ایٹم بن جاتا ہے۔ جو مادہ ایک ہی قسم کے ایٹموں سے مل کر بنا ہو اسے عنصر کہتے ہیں۔ مثلاً ہائیڈروجن، آکسیجن اور کاربن وغیرہ عناصر کی مختلف اقسام ہیں۔ اب تک تقریباً 118 عناصر کو دریافت کیا جا چکا ہے ان میں سے زیادہ تر قدرتی طور پر پائے گئے ہیں جبکہ کچھ لیبارٹری میں تیار کیے گئے ہیں۔ سب سے سادہ ترین ایٹم ہائیڈروجن کا ہے۔ اس میں ایک پروٹون اور ایک ہی الیکٹرون ہوتا ہے جبکہ نیوٹرون نہیں ہوتا۔ دو یا دو سے زائد ایٹموں کے ملنے سے مالیکیول تشکیل پاتا ہے، مثلاً جب عنصر ہائیڈروجن کے دو ایٹم، عصر آکسیجن کے ایک ایٹم سے ملائے جاتے ہیں تو پانی کا ایک مالیکیول تشکیل پاتا ہے۔

ایٹم اور اس کے ذرات کتنے چھوٹے ہیں۔ الیکٹرون کو وزن کے لحاظ سے ہلکے ترین اجزاء میں شمار کیا جاتا ہے ایک قطرہ پانی کا وزن ایک الیکٹرون کی نسبت اربوں گنا زیادہ ہوتا ہے۔ اگر ہم پینسل سے ایک سینٹی میٹر لائن کھینچیں تو اس لائن میں 10 کروڑ ایٹم سما سکتے ہیں۔ اگر ہم ایٹم کی سکیل کے حساب سے ڈرائنگ بنائیں اور پروٹون اور نیوٹرون کے قطر کا سائز ایک سینٹی میٹر رکھیں تو الیکٹرون اور کوارکس کا سائز انسانی بال سے ارے بھی چھوٹا ہو گا جبکہ پورے ایٹم کا سائز تیس فٹ بال کے میدان کے برابر ہو گا۔ نیوکلیس ایٹم سے اس قدر چھوٹا ہوتا ہے کہ اگر ہم ایٹم کو فٹ بال کے میدان جتنا بڑا پھیلا دیں تو نیوکلیس ایک انگور کے دانہ کے برابر ہو گا۔ آیئے اب اس بات کو سمجھتے ہیں کہ الیکٹرون نیوکلیس سے کسی قدر دوری سے مخصوص مداروں میں گردش کرتے ہیں۔ اس کے لیے اگر نیوکلیس کو گولف بال کے برابر تصور کیا جائے تو اس کے گرد گردش کرنے والے الیکٹرونز کا پہلا مدار اس سے ایک کلومیٹر دور ہو گا جبکہ دوسرا مدار چار کلومیٹر اور تیسرا مدار نو کلومیٹر دور ہو گا۔ اسی طرح باقی مداروں کو بھی قیاس کیا جا سکتا ہے۔ ایک اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اگرچہ نیوکلیس کی جسامت ایٹم کی جسامت سے اس قدر چھوٹی ہے لیکن اس کی کمیت ایٹم کی کل کمیت کا 99.95% ہوتی ہے۔ کتنی حیران کن بات ہے کہ ایک شے ایک طرف تو کمیت کا تقریباً سارا حصہ ہے اور

دوسری طرف نہ ہونے کے برابر جگہ گھیرتی ہے۔ اور ایٹم کا 99.999999999% حصہ خالی ہے۔ علاوہ ازیں سائنسدانوں نے نہ صرف ان قوتوں کو دریافت کر لیا ہے کہ جنہوں نے ان چھوٹے چھوٹے ایٹموں کو آپس میں جکڑ رکھا ہے بلکہ اس طریقے کو بھی معلوم کر لیا ہے کہ جس کے ذریعے ان قوتوں کو ان ایٹموں سے جدا کیا جا سکتا ہے۔ اسی طریقہ کو نیوکلیر پاور پلانٹ میں استعمال کرتے ہوئے بجلی حاصل کی جاتی ہے۔ جو کہ آج کے دور کی بنیادی ضرورت ہے۔ (The Quran and Modern science,by Dr. Zakir Naik.P 18)

اللہ تعالیٰ کی بے نظیر اور عظیم ہر اور عظیم الشان طاقت و قدرت اور علیم و خبیر ہونے کا اندازہ مندرجہ بالا معلومات سے لگا سکتے ہیں کہ اس نے ایک چھوٹے سے ذرے کے اندر کیا کچھ تخلیق کر رکھا ہے اور اس کے اندر کسی قدر قوت موجود ہے کہ ہماری عقلیں اس کا احاطہ کرنے سے قاصر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کی وسعت کا اعلان چودہ صدیاں پہلے درج ذیل آیت کریمہ میں اس وقت کیا تھا کہ جب ایٹم کو کائنات کا چھوٹا ترین ذرہ تصور کیا جاتا تھا۔ فرمان باری تعالیٰ نازل ہوتا ہے:

"وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَأْتِينَا السَّاعَةُ ط قُلْ بَلَىٰ وَرَبِّي لَتَأْتِيَنَّكُمْ لا عَالِمِ الْغَيْبِ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَلَا أَصْغَرُ مِن ذَٰلِكَ وَلَا أَكْبَرُ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ" (سورہ السبا: 3)

"منکرین کہتے ہیں کیا بات ہے کہ قیامت ہم پر نہیں آرہی ہے اکبر قسم ہے میرے عالم الغیب پروردگار کی اوہ تم پر آکر رہے گی۔ اس سے ذرہ برابر کوئی چیز نہ آسمانوں میں چھپی ہوئی ہے نہ زمین میں۔ نہ ذرے سے بڑی اور نہ اس سے چھوٹی اسب کچھ ایک نمایاں دفتر میں درج ہے۔"

"لوہا" کے متعلق قرآن کی رہنمائی:

لوہا بنی نوع انسان کے لیے ایک اہم دھات رہا ہے۔ قرآن مجید میں لوہے کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے:

"وَأَنزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ" (الحدید: 25)

"اور لوہا اتارا جس میں بڑا زور ہے اور لوگوں کے لیے منافع ہیں"

تمام مفسرین نے آیت میں لوہے کے لیے "تارا" کا جو لفظ استعمال کیا گیا ہے اس سے لوگوں کے لیے فائدہ مند ہونے کے معانی لیے ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ:

"ہم نے منکرین حق کی سر کوبی کے لیے لوہا بنایا ہے یعنی اون تو کتاب و رسول اور حق سے حجت قائم کی پھر ٹیڑھے دل والوں کی کجی نکالنے کے لیے لوہے کو پیدا کر دیا کہ اس سے ہتھیار بنیں اور اللہ کے دوست حضرات اللہ تعالیٰ کے دشمن کے دل کا کانٹا نکال دیں۔"

مولانا عبد الرحمٰن کیلانی اسی آیت کے تحت لکھتے ہیں۔

"لوہا اگرچہ زمین کے اندر کانوں سے نکلتا ہے تاہم اسے نازل کرنے سے تعبیر کیا جیسا کہ میزان کو نازل کرنے سے تعبیر کیا ہے۔ اس سے مراد ان چیزوں کو پیدا کرنا اور وجود میں لانا اور اجمالاً تمام اشیاء ہی اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہیں۔" (تیسیر القرآن، ج4: ص370)

مولانا مودودی کا بھی اس آیت کے حوالے سے یہی موقف ہے۔ آپ کے الفاظ ہیں:

لوہا اتارنے کا مطلب زمین میں لوہا پیدا کرنا ہے جیسا کہ ایک دوسری جگہ قرآن میں فرمایا

"وَأَنزَلَ لَكُم مِّنَ الْأَنْعَامِ ثَمَانِيَةَ أَزْوَاجٍ"

الزمر۔اس نے تمہارے لیے مویشیوں کی قسم کے آٹھ نر و مادہ اتارے"۔ چونکہ زمین میں جو کچھ پایا جاتا ہے وہ اللہ تعالی کے حکم سے یہاں آیا ہے خود بخود نہیں بن گیا ہے اس لیے ان کے پیدا کیے جانے کو قرآن مجید میں نازل کرنے سے تعبیر کیا گیا ہے۔(تفہیم القرآن،(2005)،ج5:ص322)

آج سائنس کی ترقی نے اس آیت کے مفہوم میں حیرت انگیز اضافہ فرمادیا ہے اور جب ہم اس کے لغوی معنوں " طبعی طور پر آسمان سے اتارا"..... پر غور کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ اس میں ایک بے حد اہم سائنسی معجزے کا ذکر کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ جدید فلکیاتی محققین نے انکشاف کیا ہے کہ ہماری دنیا میں پایا جانے والا لوہا بیرونی خلا کے عظیم ستاروں سے آیا ہے۔

کائنات میں پائی جانے والی بھاری دھاتیں بڑے ستاروں کے نیوکلئیس (Nucleus) میں پیدا ہوتی ہیں تاہم ہمارے شمسی نظام کے اندر از خود لوہا پیدا کرنے کے لیے موزوں ڈھانچہ نہیں ہے۔ یہ صرف سورج سے بہت بڑے سائز کے ستاروں کے اندر پیدا ہو سکتا ہے۔ جن میں درجہ حرارت کروڑوں درجہ سینٹی گریڈ تک پہنچ جاتا ہے۔ جب کسی ستارے میں بننے والے لوہے کی مقدار ایک خاص حد سے متجاوز ہو جائے تو وہ اسے برداشت نہیں کر سکتا اور ایک دھماکے کے ساتھ "نوا (Nova) "یا" سپر نوا (Super Nova) "خارج کرتا ہے جو ایک قسم کے شہابیے (Meteorites) ہوتے ہیں۔ ان کی بہت بڑی تعداد خلا میں پھیل جاتی ہے۔ یہ اس وقت تک حرکت کرتے رہتے ہیں جب تک کسی جرمِ فلکی (Celestial Body) کی قوت جاذبہ انہیں اپنی طرف کھینچ نہ لے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ لوہا زمین پر تشکیل نہیں پایا بلکہ ستاروں کے پھٹنے کے عمل سے شہابیوں کی صورت میں "زمین پر اتارا گیا ہے بالکل اسی طرح جیسے متذکرہ آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ اب یہ بات واضح ہے کہ اس حقیقت کا سائنسی طور پر ساتویں صدی میں نزول قرآن کے وقت ادراک نہیں ہو سکتا تھا۔ (قرآن رہنمائے سائنس،(2002)،ص129)

پروفیسر آرم اسٹرانگ (Armstrong) جو امریکی خلائی ادارے ناسا میں مصروف عمل ہیں National) Aeroxautics Space Administration) (NASA(اور ایک نہایت معروف سائنس دان ہیں۔ ان سے لوہے اور اس کی تشکیل کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے وضاحت سے بتایا کہ زمین میں تمام عناصر کس طرح تشکیل پاتے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ تشکیل کے مرحلے سے متعلقہ حقائق سائنس دانوں نے حال ہی میں دریافت کیے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ سورج کی ابتدائی مرحلے کی توانائی لوہے کی عصری تخلیق کے لیے کافی نہیں تھی۔ ان کے الفاظ کا مفہوم یہ تھا:

ریاضی کے حساب سے لوہے کے ایک ایٹم کو بنانے کے لیے ہمارے نظام شمسی (جس میں سورج اور آٹھ سیارے شامل ہیں) کی مجموعی توانائی ناکافی ہے، اس سے کم از کم چار گنا زیادہ توانائی کی ضرورت ہے۔ سائنس دانوں کو یقین ہے کہ لوہا ایک (Extraterrestrial) غیر زمینی شے ہے جو زمین پر پیدا نہیں ہوئی بلکہ کسی دوسرے ذریعے سے زمین پر آئی ہے۔"

(سائنسی انکشافات قرآن و حدیث کی روشنی میں،(س ن)،ص129)

اس سورۃ میں دو نہایت دلچسپ ریاضی کے اصول پائے جاتے ہیں۔ "الحدید" (لوہا) قرآن کی سورۃ 57 ہے۔ لفظ "الحدید " کی عددی قیمت (عربی کے نظام ابجد کے مطابق جس میں ہر حرف کی ایک عددی قیمت ہوتی ہے) وہی بنتی ہے یعنی 57- صرف

لفظ "حدید" (لوہا) کی عددی قیمت ابجد کے حساب سے (یعنی اس کے ساتھ انگریزی گرامر کی "The Definite Article" لگائے بغیر جو عربی میں "ال" ہے، 26 بنتی ہے اور 26 لوہے کا ایٹمی عدد ہے۔ (اللہ کی نشانیاں عقل والوں کے لیے، (2005)، ص261)

نتائج:

اس تحقیق کے نتائج سے واضح ہوتا ہے کہ قرآنِ مجید کے سائنسی پہلو اعجازِ قرآن کا ایک اہم اور قابلِ غور حصہ ہیں، جو انسانی فکر کو تدبر اور تحقیق کی دعوت دیتے ہیں۔ منتخب قرآنی آیات کے تجزیے سے درج ذیل نکات سامنے آئے ہیں:

اولاً، قرآنِ مجید میں بیان کردہ بہت سے سائنسی حقائق ایسے ہیں جو اپنے نزول کے وقت انسانی علم کی دسترس سے باہر تھے، مگر جدید سائنسی تحقیق نے بعد میں ان کی تصدیق کی۔ مثال کے طور پر کائنات کے پھیلاؤ، انسانی جنین کی تخلیق، آبی نظام (Water Cycle)، اور سمندروں کے درمیان حد بندی جیسے موضوعات قرآن میں ایسے انداز میں بیان ہوئے ہیں جو جدید سائنس سے ہم آہنگ نظر آتے ہیں۔

ثانیاً، یہ نتائج ظاہر کرتے ہیں کہ قرآنِ مجید سائنسی کتاب نہیں بلکہ ہدایت کی کتاب ہے، تاہم اس میں بیان کردہ قدرتی مظاہر انسان کو غور و فکر اور تحقیق کی طرف مائل کرتے ہیں۔ اس طرح قرآن سائنسی شعور کو فروغ دینے کا ذریعہ بنتا ہے۔

ثالثاً، تحقیق سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ قرآن کے سائنسی بیانات میں ایک خاص توازن اور اعتدال پایا جاتا ہے، جو نہ تو محض سائنسی تفصیل بیان کرتا ہے اور نہ ہی مبہم انداز اختیار کرتا ہے، بلکہ ایک ایسا اسلوب اپناتا ہے جو ہر دور کے انسان کے لیے قابلِ فہم اور قابلِ غور ہو۔

مزید برآں، یہ بات سامنے آتی ہے کہ قرآن کے سائنسی اعجاز کو سمجھنے کے لیے محتاط اور متوازن رویہ ضروری ہے۔ بعض اوقات آیات کی غیر محتاط سائنسی تعبیر مبالغہ آرائی کا سبب بن سکتی ہے، اس لیے ضروری ہے کہ تفسیرِ قرآن کو بنیادی اصول بنایا جائے اور سائنسی حقائق کو معاون حیثیت دی جائے۔ آخر میں، تحقیق یہ نتیجہ اخذ کرتی ہے کہ قرآنِ مجید کے سائنسی اشارات اس کے الہامی ہونے کی ایک مضبوط دلیل فراہم کرتے ہیں، اور جدید دور میں یہ پہلو ایمان کو تقویت دینے اور فکری بیداری پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

حوالہ جات (References)

1. عبد الرحمن کیلانی، تیسیر القرآن، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، (سنہ اشاعت درج نہیں، مگر عام طور پر 20ویں صدی کے وسط کی تصنیف)۔
2. ڈاکٹر ذاکر نائیک، The Qur'an and Modern Science: Compatible or Incompatible?، اشاعت: اسلامی ریسرچ فاؤنڈیشن، ممبئی، (مشہور ایڈیشن 2000ء یا اس کے بعد)
3. ابن منظور، لسان العرب، دار صادر، بیروت، (2015ء)۔
4. راغب اصفہانی، مفردات ألفاظ القرآن، دار القلم، دمشق / دار الشامیہ، بیروت، (2012ء)

5. ڈاکٹر محمد سعید رمضان البوطی یا دیگر) مباحث فی إعجاز القرآن، دار الفکر، دمشق، (2013ء)

6. *Jaffar, Saad, Asia Mukhtar, Sardar Muhammad, and Muhammad Ayaz. "The Concept Of Human Equality: A Comparative Study In The Light Of The Qur'an And The Bible." Webology 19, no. 3 (2022).*

7. *Jaffar, Saad, Muhammad Ibrahim, Faizan Hassan Javed, and Sonam Shahbaz. "An Overview Of Talmud Babylonian And Yerushalmi And Their Styles Of Interpretation And Legal Opinion About Oral Tradition." Webology 19, no. 2 (2022).*

8. ڈاکٹر ذاکر نائیک، اسلام اور جدید سائنس، ادارہ اسلامیات، لاہور، (2001ء)

9. قرآنی آیات اور سائنسی در حقائق، مترجم فیروز شاہ گیلانی، (1990)

10. فیروز شاہ گیلانی، قرآنی آیات اور سائنسی حقائق، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، (1990ء)

11. عبید اللہ فہد فلاحی، ""Re−defining I'jāz al−Qur'ān، Journal of Quranic Studies and Sunnah، جلد2، شمارہ2، (جنوری-جون2009ء)

12. ڈاکٹر محمد حسین الذہبی، التفسیر: معالم حیاتہ ومنہجہ الیوم، دار الفکر، دمشق، (2003ء)۔

13. ہارون یحیٰ، اللہ کی نشانیاں عقل والوں کے لیے، ناشر: دار السلام، لاہور، (2005ء)

14. ہارون یحیٰ، قرآن رہنمائے سائنس، ناشر: بک کارنر، جہلم، (2002ء)

15. ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، تحقیق: مصطفیٰ السقاو غیرہ، دار المعارف، قاہرہ، (1999ء)

16. *Ayub, Shahzada Imran, Saad Jaffar, and Asia Mukhtar. "ENGLISH-CHALLENGES CONFRONTED BY CONTEMPORARY MUSLIM WORLD AND THEIR SOLUTION IN THE LIGHT OF SEERAH." The Scholar Islamic Academic Research Journal 6, no. 1 (2020): 379-409.*

17. امام احمد بن حنبل، المسند، تحقیق: شعیب الأرنؤوط وغیرہ، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، (2001ء یا بعد)، حدیث نمبر10304۔

18. جلال الدین السیوطی، الإتقان فی علوم القرآن، تحقیق: مرکز المخطوطات، دار ابن کثیر، دمشق / بیروت، (2008ء)۔

19. امام قرطبی، الجامع لأحکام القرآن (تفسیر القرطبی)، تحقیق: عبد الرزاق المہدی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، (2003ء)

20. البخاري، محمد بن إسماعیل، (1999)، صحیح البخاري، بیروت، دار طوق النجاۃ۔